تحریکِ اصلاحِ معاشرہ اور مسلم خواتین

ڈاکٹر حافظ محمد یونس

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دائمی ابدی تعلیمات نازل فرمائی ہیں، ان سے مقصود یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ٹھیک ٹھیک بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا انتظام درست کیا جائے، اس کے لیے عورتوں کی اصلاح اتنی ہی ضروری ہے جتنی مردوں کی۔

اسلام جس اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے جس دین کو وہ حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لیے ہے۔ جس نجات کو وہ مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے۔ جس جہنم سے اسلام بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی خوفناک ہے جتنی مردوں کے لیے ہے اور جس جنت کی اُمید دلاتا ہے وہ عورتوں کو اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔

اگر کسی مرد کی نجات کے لیے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور اللہ کی خوشنودی کے لیے کوشش کرتی رہتی تھی، تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی صرف اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جان کھپائی تھی۔ اللہ کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔

اس لیے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو ہر ایک

دل و جان سے وہ خدمات بجا لائے جو اسے اللہ کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا مستحق بنائیں۔ کوئی مرد ہو یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ باندھ نہ لے کہ اس کے ساتھ بندھے بندھے جہنم میں جا پہنچے اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین اور ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریکِ اصلاحِ معاشرہ کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدا سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر حصّہ لیا ہے۔ نبی کریمؐ پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس ہستی کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں۔ یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجہ کبریٰؓ[1] جنہوں نے بارِ نبوت کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین دی۔[2] وہی جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضورؐ کی بہترین رفیق بنی رہیں اور اصلاحِ معاشرہ میں خاتونِ اوّل کی حیثیت سے شاندار کردار ادا کیا اور ان ہی کا مال و دولت اور سرمایہ تھا جس سے مکی دور میں اصلاحِ معاشرہ کا مشن جاری و ساری رہا۔

اصلاحِ معاشرہ کی اس تحریک میں نبوت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۵ اشخاص ایمان کے ساتھ شامل ہوئے، ان میں ۹ عورتیں شامل تھیں۔[3] پانچ چھ برس تک مکہ میں اصلاحِ معاشرہ کی خاطر انتہائی ظلم و ستم سہنے کے بعد جو ۸۳ اشخاص اپنے گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں شامل تھیں[4] جنہوں نے دین و ایمان کی خاطر جلا وطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ دیا۔ مکہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلالؓ اور عمارؓ جیسے مرد تھے تو اُمِّ عُمَیسؓ، اُمِّ عمارؓ اور زُنَیرہؓ جیسی عورتیں[5] تھیں، اسی طرح مدینے میں جہاں

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۷

[2] البخاری، الجامع الصحیح للبخاری، ج ۱، ص ۳ (باب بدء الوحی) مکتبہ آرام باغ نور محمد، کراچی۔

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۷۱ - ۲۷۷ (داراحیاء التراث العربی، بیروت)

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۸

[5] ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۴۰

انصار کے مردوں نے اصلاح معاشرہ اور اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ عورتوں نے بھی کم حصہ نہیں لیا۔

ایک نیک بخت خاتون کا مشہور قصہ روایات میں آیا ہے، جس نے جنگ اُحد کے موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا بیٹا پیٹھ نہ دکھانا، میں نے اس دن کے لیے تم کو دودھ نہیں پلایا تھا اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں اور جب اپنے آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

" الحمد لله الذی اکرمنی بشهادتهم "۔

(اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ان کی شہادت سے مجھے سرفراز فرمایا اور اس کی عزت بخشی)

اسی جنگ میں ان کے شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ؐ تو خیریت سے ہیں اور جب اس نے حضورؐ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت قابل برداشت ہے"[1]

اسی جنگِ اُحد میں ایک خاتون ام عمارہؓ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے اور کفار نے آپؐ پر نرغہ کر لیا تو تلوار کھینچ کر سامنے آکھڑی ہوئیں اور آپؐ کو بچانے کے لیے لڑتی رہیں یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا[2]

یہ اور ایسے ہی بے شمار واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا ہے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ۔ انہوں نے اس دین کی خاطر اور اصلاح معاشرہ میں ظلم بھی سہے خطرات بھی مول لیے، جان و مال کی قربانیاں بھی دیں، عزیز و اقارب کو بھی چھوڑا، جلا وطن اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اٹھائیں اور اپنے ایمان دار باپوں، شوہروں اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ ان خواتین کے کارنامے ہیں، جن کی بدولت ابتدا میں اسلام دنیا پر چھایا تھا اور آج اگر اس دین اور معاشرے کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آجکل کی

---

[1] ابن جریر، الطبری، پیرا نمبر ۲۵ (۴م)؛ ابن ہشام، ج ۳، ص ۱۰۵۔

[2] ابن ہشام، ج ۳، ص ۸۶، ۸۷۔

خواتین ان ہی جاں نثار خواتین اسلام کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان ہی کی طرح اخلاص ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورت کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔ گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں۔ پرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں ان پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوش حال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصول اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں۔ اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں۔ اپنے گھروں کے مردوں کو اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا ہوں، راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں اور اگر اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔

عہدِ رسالت کی خواتین کا واسطہ کفار اور بدترین دشمنِ اسلام سے تھا، اس کے باوجود جو کچھ انہوں نے اپنے دین اور معاشرے کی اصلاح کے لیے کردار ادا کیا اور جس جرأت اور ہمت و استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کو لیجئے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے[1]۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نَوفل ان کا چچا زاد بھائی اَسْوَد اور اَسْوَد کا بیٹا زَمْعہ، یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے[2] لیکن اس کے باوجود وہ حضورؐ کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انہوں نے ذرا برابر پرواہ نہیں کی۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کو دیکھئے۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل[3] تھا۔ دوسرا چچا ولید بن مغیرہ تھا[4]

---

[1] ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۳۹

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۳۰۱، ۳۰۵، ج ۲، ص ۵۰۔

[3] بخاری، ج ۲، ص ۶۶۱

[4] ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۸۳

اور اس کا بیٹا خالد بھی اسلام کا سخت دشمن تھا[1]۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا[2]۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت[3] کر گئیں۔ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ کی مثال لیجئے، ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے[4]، ان کے حقیقی بھائی حضرت عمرؓ بھی زمانہ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ[5] تھے۔ باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویہ سے وہ[6] واقف تھیں۔ پھر بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ[7] جھجکیں۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں ایک اصلاحی تحریک میں داخل ہو کر مسلمان ہو گئے ہیں، تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز آئی، گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا، یہاں تک کہ لہو لہان ہو گئیں۔ مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ تم چاہے مار ڈالو، یہ حق، جو میں پا چکی ہوں، اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل پسیجا اور اس نے کہا: "ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے"۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیے، جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب سورۃ ختم ہوئی تو وہی دل جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بغض اسلام سے بھرا ہوا تھا۔ ایمان سے لبریز ہو گیا[7]

---

[1] ابن ہشام، ج ۳، ص ۷۰، ۹۱

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۳۱۵

[3] ایضاً، ج ۱، ص ۳۴۵

[4] ایضاً، ج ۱، ص ۳۷۵

[5] ایضاً، ج ۱، ص ۳۴۱

[6] ایضاً، ج ۱، ص ۳۶۷

[7] ایضاً، ج ۱، ص ۳۶۶

اس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمرؓ فاروق جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ درخشاں رہے گا[1]۔ یہ ہیں سچے اور مسلمان عورتوں کے کارنامے اور اگر موجودہ دور کی خواتین کو اپنی نجات درکار ہے، تو یہی کردار ان کو بھی اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم و فکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس کی پرواز عمل کے لیے بھی اس نے وسیع تر فضا مہیا کی ہے وہ جس طرح علم و ادب کی راہ میں پیش قدمی کر سکتی ہے اسی طرح زراعت اور تجارت میں بھی ترقی کرنے کا حق رکھتی ہے، اس کو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے اپنانے اور بہت سی ملی و اجتماعی خدمات کے انجام دینے کی بھی اجازت ہے۔ یہی نہیں بلکہ زندگی و حرکت کے جو داعیات اس کے اندر اٹھتے رہتے ہیں ان کو دبانے اور مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان کی تکمیل کی اس کو دعوت دی گئی ہے۔

البتہ اسلام نے کوشش کی ہے کہ عورت کے اندر تکلف و تصنع، عیش و راحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی مذموم صفات راہ نہ پانے پائیں اور وہ اس قابل ہو سکے کہ زندگی کے شواہد کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے اس کو پرمشقت اور سادہ زندگی کی تعلیم دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طبقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

> "وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں، جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے مونڈھوں کو ملا ملا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی، حالانکہ جنت کی مہک دور دور تک پھیلی ہوگی[2]"

---

[1] ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۶۶

[2] مسلم بن الحجاج، الصحیح للمسلم، ج ۲، ص ۲۰۵ (کتاب اللباس)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ نہیں ہے کہ یہ عمل ان کی تباہی کا واحد ذریعہ بنا تھا بلکہ آپ ایک متعین عمل کے ذریعے اس ذہن و مزاج کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو افراد کو تیزی کے ساتھ ہلاکت و بربادی کی طرف لیے چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم سادگی کی بجائے تصنع اور تکلف کی عادی اور جفاکشی کے بجائے عیش و راحت کی طالب بن جائے تو کش مکش حیات میں وہ کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

شریعت، ان ہی اسباب تباہی سے عورت کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے تاکہ زندگی کے کار زار میں اس کو نامرادیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض پورے کر سکے۔

جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کو عدت کے دن گھر ہی میں گزارنے چاہئیں تھے لیکن انہوں نے عدت کے دوران ہی میں اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا کہ اس مدت میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لیے گئیں تو آپ نے جواب دیا:

> "کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو اور فروخت کرو اس رقم سے بہت ممکن ہے تم صدقہ و خیرات یا کوئی بھلائی کا کام کر سکو۔ اس طرح یہ تمہارے لیے اجر آخرت کا سبب ہوگا۔"[1]

ان الفاظ کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کی خالہ کو انسانیت کی بہی خواہی اور فلاح و بہبود پر اکسایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت عورت کو اس قابل دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خدمت کر سکے اور اس کے ہاتھوں بھلے کام انجام پائیں۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امور خیر کی تکمیل کے لیے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دور اوّل کی خواتین ضرورت پر بازار اور کھیت وغیرہ آیا جایا کرتی تھیں کیونکہ اگر پہلے سے کوئی عمومی ممانعت ہوتی تو حضرت جابرؓ کی خالہ کھیت جانے کا

---

[1] ابوداؤد، محمد بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۳۵ (کتاب الطلاق)

قصد ہی کیوں کرتیں اور بحث بھی یہ نہ چھڑتی کہ فلاں مخصوص حالت میں ان کا گھر سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض دوسری روایات سے یہ بات اور واضح ہوگئی ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے[1]"

اس کی عملی سرگرمیوں نے تو اس امر کے قطعی اور یقینی شواہد فراہم کر دیے ہیں کہ اس نے امور خانہ داری کے علاوہ دوسری بہت سی مصروفیات اندرون خانہ و بیرون خانہ جاری رکھیں اور اسلامی معاشرہ کبھی ان میں حائل نہیں ہوا۔

"سہل رضؓ بن سعد ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں، جن کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں۔ جمعہ کے دن سہل رضؓ بن سعد اور بعض دیگر صحابہ ان سے ملاقات کے لیے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلاتیں[2]"

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء رضؓ اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ "حضرت زبیر رضؓ سے میرا بیاہ ہوچکا تھا، لیکن ان کے پاس ایک پانی لانے والے اونٹ اور ایک گھوڑے کے سوا نہ تو کسی قسم کا کوئی مال تھا نہ خادم اور نہ کوئی دوسری چیز۔ میں خود ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور اس کا ڈول بھرتی، گھر کا کام کاج بھی مجھ کو کرنا پڑتا۔ چنانچہ مجھے خود ہی آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا پڑتی۔ میں روٹی اچھی نہیں پکا سکتی تھی۔ پڑوس میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں جو اپنی دوستی میں بڑی مخلص ثابت ہوئیں، وہ میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضؓ کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی تھی۔ میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی[3]"

قیلہ رضؓ نامی ایک صحابیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "انی امرأۃ ابیع واشتری"

---

[1] بخاری، ج ۲، ص ۷۰۰، (کتاب التفسیر، سورۃ احزاب)

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۱۲۸ (کتاب الجمعہ)

[3] ایضاً، ج ۲، ص ۷۸۶، (کتاب النکاح)

میں ایک ایسی عورت ہوں جو مختلف چیزوں کو بیچتی اور خریدتی رہتی ہوں، یعنی تاجر ہوں اور پھر آپ سے خرید و فروخت سے متعلق مسائل دریافت کئے[1]

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ اسماءؓ بنت مخربہ کو ان کے لڑکے عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر روانہ کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں[2]

عمرۃؓ بنت طبیخ کہتی ہیں کہ "ایک مرتبہ اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جا کر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھوسے میں رکھا، لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا، اس لیے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلی ہوئی تھی۔ حضرت علی کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر پوچھا کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی بھی ہے اور نفیس بھی۔ اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں[3]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی ریطہؓ بنت عبداللہ صنعت و حرفت سے واقف تھیں، اس کے ذریعہ اپنے اور اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"میں ایک کاریگر عورت ہوں، چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں، اس طرح میں تو کما سکتی ہوں لیکن میرے شوہر اور بچوں کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کر سکتی ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا "ہاں تم کو اس کا اجر ملے گا"[4]

اسلامی معاشرہ نے عورت کو جو حقوق و مراعات عطا کئے ہیں ان سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا ہے اور جہاں کہیں دیکھا کہ اس کے حقوق تلف کئے جا رہے ہیں یا اس پر کسی قسم کی زیادتی ہو رہی ہے تو اس نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے پوری بصیرت کے ساتھ جد و جہد بھی کی ہے اور

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸ ص ۲۲۸ (تذکرہ قیلہ)
[2] ایضاً " ، ج ۸ ص ۲۲۰ (اسماءؓ بنت مخربہ)
[3] ایضاً " ، ج ۸ ص ۳۵۸ (تذکرہ عمرۃؓ بنت طبیخ)
[4] ایضاً " ، ج ۸ ص ۲۱۲ (تذکرہ ریطہؓ بنت عبداللہ)

اسلامی قانون نے ایسے تمام مواقع پر اس کو کامیاب بنایا ہے ۔

ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مال دار شخص سے کر دیا لیکن لڑکی اس کو پسند نہیں کر رہی تھی ، اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :

" میرے والد نے میری شادی اپنے ایک دولت مند بھتیجے سے کر دی ہے تاکہ مجھ کو پھنسا کر اپنی کشائش کا سامان کریں "

آپؐ نے فرمایا " اگر تجھ کو یہ عقد پسند نہیں ہے ۔ تو تو آزاد ہے "

اس نے کہا :

" میرے والد نے جو اقدام کیا ہے میں اس کو بحال کرتی ہوں ، لیکن میں چاہتی ہوں کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مرضی کے خلاف باپوں کو ان کے نکاح کا حق نہیں[1] "

یہ گویا ایک عورت کا اپنے باپ کی زیادتی کے خلاف کامیاب احتجاج تھا ۔ اس معمولی سے واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورت کے حقوق کا کتنا اور کہاں تک احترام کیا جاتا ہے ۔ اور یہ کہ خواتین نے معاشرہ کے مفاد اور اس کے بقاء و تحفظ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں ۔ ان خدمات کے پیچھے شخصی منفعت کے بجائے معاشرہ کی خیر خواہی اور اس کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ کارفرما رہا ہے ۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے دین کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں ۔ اس کے لیے انہوں نے قریب ترین تعلقات اور رشتوں پر چھری پھیر دی ۔ خاندان اور قبیلہ سے جنگ مول لی ، مصیبتیں سہیں ، گھر بار چھوڑا ، غرض یہ کہ مفاد دین سے ان کا جو بھی مفاد ٹکرایا ، اسے ٹھکرانے میں انہوں نے تأمل اور پس و پیش نہیں کیا اور آخری وقت تک اپنے ربّ سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا اس پر کوئی آنچ نہ آنے دی ۔

مکہ کے ابتدائی دور میں جن سعادت مند اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی تھا ان کی والدہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کی باندی تھیں ، ان کو دین سے پھیرنے

---

[1] احمد بن حنبل ، مسند ، ج ۶ ، ص ۱۳۶ : ابن ماجہ ، ج ۱ ، ص ۶۰۲

سے لیے ہر طرح کی اذیت دی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اس جرم کی پاداش میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی لہ

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب ایمان لے آئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو زد و کوب کیا یہاں تک کہ لہولہان ہو گئیں لیکن اس کے باوجود اپنے مولیٰ سے جو عہد وفا باندھا اس میں کوئی کمزوری نہ آنے دی۔ حضرت عمرؓ کی سختی کے جواب میں کہتی ہیں :

"ابن خطاب ! میں تو ایمان قبول کر چکی اب جو چاہو کر گزرو میں اس سے پھر نہیں سکتی"

حضرت عمرؓ نے قرآن کو ہاتھ میں لینا چاہا تو کہا :

"ابن خطاب اس کو رکھ دو کیونکہ تم جنابت سے پاکی نہیں حاصل کرتے اور یہ وہ کتاب ہے جس کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں" ٹلہ

ابوسفیان کے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے تو اپنی بیٹی اُم المومنین اُم حبیبہؓ سے بھی ملنے گئے۔ گھر میں ذات اقدس کا بستر بچھا ہوا تھا، وہ اس پر بیٹھنے لگے، تو بیٹی نے فوراً اس کو تہہ کر دیا۔ باپ کے لیے یہ حرکت سخت تعجب خیز تھی۔ پوچھا "کیا تم نے اس کو میرے شایانِ شان نہ سمجھ کر اٹھا دیا یا مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس پر بیٹھوں"

بیٹی نے جواب دیا "یہ رسولِ خدا کا بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں۔ اس مقدس بستر پر آپ کو بٹھا کر اس کو پلید کرنا نہیں چاہتی تھی" ٹلہ

رقیقہؓ بنت ابی صیفی نے مکہ کے نازک ترین دور میں صدائے حق پر لبیک کہی تھی۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، تو انہوں نے ہی آپ کو قبل از وقت متنبہ کیا کہ آپ پر شبخون مارنے کا فیصلہ ہو چکا ہے ٹلہ

لہ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہؓ، ج ۸، ص ۱۴۱ (تذکرہ ام عمارؓ)

ٹلہ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۶۷ (اسلام حضرت عمرؓ)

ٹلہ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۷۰ (تذکرہ ام حبیبہؓ)

ٹلہ ایضاً ، " ، ج ۸، ص ۱۶۲ (رقیقہ بنت ابی)

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی میں حصّہ لیا ان میں مسطح بن اثاثہ بھی تھے، ان کی ماں کے ایمانی تقاضوں نے اس کی اجازت نہ دی کہ بیٹے کی اس غلط حرکت کو گوارا کر لیں یا کم از کم تاویل وتوجیہ کے پردوں میں اس کو چھپا دیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔

"مسطح نے جب حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی کرنے والوں کے ساتھ تہمت باندھنے میں حصّہ لیا تو یہ ان پر اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھا[1]"

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ان کے اس غیر شرعی اور ناروا عمل پر پیچ وتاب کھاتی اور غم وغصہ کا اظہار کرتی تھیں۔

شریعت نے ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی ہے لیکن اس کے باوجود خدا کے دین کو سربلند دیکھنے کی تمنا اس کو دشمن کے خلاف محاذ جنگ پر لے آتی اور مردوں کے ساتھ وہ بھی کفر کا علم سرنگوں کرنے میں حصّہ لیتی۔

"اسماء بنت یزید کے ہاتھ سے جنگِ یرموک میں نو رومیوں کو موت کا پیالہ پینا پڑا[2]"

"ایک انصاری خاتون اُمّ حارث کی ثابت قدمی اور شجاعت دیکھئے کہ جنگ حنین میں اسلامی فوج کے قدم میدان سے اکھڑ چکے ہیں لیکن چند باہمت نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی ہوئی ہیں[3]"

حضرت انسؓ کی والدہ اُمّ سُلیم خنجر لیے ہوئے اُحد میں آئی تھیں۔ حنین میں بھی ان کے پاس خنجر تھا۔ اس طرح مسلح ہو کر آنے کا مقصد حضورؐ نے دریافت فرمایا، تو جواب دیا:

"میں نے اس کو اس لیے ساتھ رکھا ہے تاکہ اگر کوئی مشرک قریب ہو تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں[4]"

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۶۶ (تذکرہ مسطح)

[2] الاصابہ، ج ۴، ص ۲۳۵ (تذکرہ اسماءؓ بنت یزید)

[3] ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۶۹ (تذکرہ اُمّ حارث)

[4] مسلم، ج ۲، ص ۹۹

دشمنانِ دین کو ناکام بنانے میں عورت نے جتنا براہ راست حصّہ لیا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ بالواسطہ باطل کی قوتوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے۔ اگر اس نے محاذ جنگ پر تیر نہیں چلائے ہیں، تو دشمن پر ناوک فگنی کرنے والے ہاتھوں کو ناوک فراہم کیے ہیں، اگر اس نے تلوار نہیں اٹھائی ہے، تو تیغ زنوں کو تیغ زنی کے قابل بنایا ہے، خدا کی راہ میں لڑنے والے زخمی ہوتے، تو یہ ان کا مرہم بن جاتی، وُہ گر پڑتے، تو یہ ان کا سہارا ہوتی، وہ بھُوکے اور پیاسے ہوتے، تو یہ ان کے لیے کھانا اور پانی لیے دوڑتی۔

ربیعؓ بنت معوذ کا بیان ہے:

"ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد پر جاتی تھیں اور (ہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ) مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں اور جنگ میں کام آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتیں[۱]"

ایک اور صحابیہ جو حضورؐ کے ساتھ چھ غزوات میں شریک ہوئی تھیں، بیان کرتی ہیں:

"ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کا علاج معالجہ اور ان کی تیمارداری کرتی تھیں[۲]"

اُمّ عُطیہؓ اپنے متعلق فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سات غزوات میں شرکت کی، وہاں میں مجاہدین کے سامان کی نگہداشت کرتی ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کا علاج اور بیماروں کی تیمارداری کرتی[۳]"

اُحد کے مجروح مجاہدین کی مرہم پٹی اور خدمت کے لیے بہت سی صحابیات جنگ کے بعد مدینہ سے گئی تھیں، طبرانی کی روایت ہے:

"جس دن اُحد کی جنگ ہوئی اور جنگ کے بعد مشرکین واپس لوٹ گئے، تو خواتین صحابہ

۱؎ بخاری، ج ۱، ص ۴۰۳

۲؎ احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۴۳۸۔

۳؎ مسلم، ج ۲، ص ۱۱۸۔

کی معاونت کے لیے روانہ ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی میں تھیں[۱]"،
چنانچہ حضورؐ اس دن زخمی ہوئے، تو حضرت فاطمہؓ ہی نے زخم، چٹائی کی راکھ سے بھرا تھا[۱]
حضرت انسؓ کا بیان ہے، کہ جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ اور اُم سلیمؓ نے بھی مجاہدین کی خدمت کی تھی۔

"میں نے عائشہ بنت ابی بکرؓ اور اُم سلیمؓ کو کمر بستہ (لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے) دیکھا، وہ اس قدر تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں، کہ میں نے ان کی پنڈلیوں کے پازیب دیکھے۔ وہ اپنی پشت پر پانی سے بھرے ہوئے مشک لادلاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتیں، پھر واپس جاتیں اور بھر کر لاتیں اور مجاہدین کی تشنگی دور کرتیں[۲]"

خیبر میں حضورؐ کے ساتھ مسلمان خواتین میں سے بہت سی خواتین نے شرکت کی۔
حشرج بن زیاد کی دادی، اور پانچ اور عورتیں بھی اس جنگ میں گئی تھیں۔ انہوں نے حضورؐ سے آنے کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا:

"اے اللہ کے رسول ہم اس لیے آئی ہیں، کہ صوف بُنیں گی اور اس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مدد کریں گی، ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوا ہے، ہم تیر اندازوں کو تیر فراہم کریں گی اور ضرورت پر مجاہدین کو ستو گھول کر پلائیں گی[۴]"

اس سے اہم تر بات یہ ہے کہ وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت یہ خدمات انجام نہیں دیتی تھیں بلکہ محافظین دین کی رفاقت اور تعاون کو اپنے لیے باعث عزت سمجھ کر خود ہی پیش کش کرتی تھیں۔
بعض خواتین میدان جنگ سے باہر بھی یہ خدمات انجام دیتی تھیں۔ مثلاً رفیدہ نامی قبیلہ اسلم کی عورت کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

---

۱ ابن حجر فتح الباری، ج ۷، ص ۲۷۶
۲ بخاری، ج ۲، ص ۵۸۹، (باب غزوۂ اُحد۔ کتاب المغازی)
۳ ایضاً، ج ۲، ص ۵۸۱
۴ ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۲۴

"زخمی ہونے والوں کی وہ مرہم پٹی کرتی تھیں اور جو مسلمان محتاج خدمت ہوتا، کہ اگر اس کی ٹھیک سے دیکھ بھال نہ ہو، تو ہلاک ہو جائے۔ ثواب کے خیال سے یہ اس کی خدمت کرتیں"

چنانچہ مسجد نبوی میں ان کا خیمہ تھا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ جنگِ خندق میں مجروح ہوئے، تو حضورؐ نے ان کو رفیدہ ہی کے خیمہ میں منتقل کر دیا تھا، تاکہ آپ باسانی ان کی عیادت کر سکیں[1]

دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب

دین کی مدافعت خواتین جس طرح شمشیر و سناں کے ذریعہ کرتی رہی ہیں، اسی طرح زبان و بیان سے بھی انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ حق کی نصرت و حمایت میں نیزہ اور تلوار بھی بلند کیا ہے۔ اور زبان کی قوت بھی صرف کی ہے۔ ان کی پرجوش خطابت و تقریر نے بہت سوں کے لیے اللہ کی راہ میں مرنا اور جینا اور اپنی ہر متاع حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اَرْوٰی بنت عبد المطلب کے متعلق ابن عبد البر نے لکھا ہے:

"ایمان لانے کے بعد وہ حضورؐ کی معاونت کرتی تھیں اور اپنے لڑکے کو آپؐ کی مدد کرنے اور آپؐ کے مقصد کو لے کر کھڑے ہونے پر ابھارتی تھیں[2]"

خواتین نے اپنوں ہی کو حق پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ معاشرہ میں جہاں کہیں ان کو بگاڑ نظر آیا، اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر و صلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں۔ سمراءؓ بنت نہیک کے متعلق ابن عبد البر نے لکھا ہے:

"وہ بازاروں میں گھوم پھر کر بھلائی کا حکم دیتیں اور برائی سے روکتی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا تھا، جس سے وہ لوگوں کو منکر کے ارتکاب پر مارتی تھیں[3]"

اس معاملہ میں خواتینِ اُمت نے نہ تو رعایا کی پروا کی اور نہ فرمانرواؤں اور حاکموں کی، ان کے ایمانی

---

[1] الاصابہ، ابن حجر، ج ۷، ص ۶۴۶ (تذکرہ رفیدہؓ)

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۰۲ (تذکرہ اروٰی بنت عبد المطلب)

[3] ایضاً ، " ، ج ۲، ص ۷۴۰، (سمراءؓ بنت نہیک)

جذبات نے جس طرح دین کے کھلے دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی طرح دین کے نام لیواؤں کے فسادِ فکر وعمل کو بھی برداشت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کلمۂ حق کے اظہار میں نہ تو باطل کی بڑی سے بڑی قوت ان کے لیے مانع بنی اور نہ جابر و سخت گیر حکام کی زیادتی اور سختی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دینے کے بعد، حجاج ان کی والدہ اسماءؓ کے پاس گیا اور کہا، آپ کے صاحبزادے نے خدا کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا، جس کی سزا خدا نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی ہے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا:

"تم نے جھوٹ کہا وہ بے دین نہیں تھا وہ تو اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والا، روزے دار اور تہجد گزار تھا۔ حقیقتاً تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے، قسم خدا کی تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے، قسم خدا کی حضورؐ نے ہم سے کہا تھا، کہ قبیلۂ ثقیف سے دو جھوٹے پیدا ہوں گے، ان میں دوسرا پہلے سے بدتر ہوگا، کیونکہ وہ ہلاکت و تباہی مچائے گا۔ ثقیف کے پہلے جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کو تو دیکھ چکے اور دوسرے تم ہو[1]۔"

تنقید یا تائید اسی وقت سودمند ہوتی ہے، جب کہ اس کے پیچھے خلوص اور خیرخواہی کے جذبات کارفرما ہوں، کسی کے عمل پر گرفت کی جائے یا اس کی تائید اور حمایت، دونوں کو ذاتی نفع و غرض سے پاک ہونا چاہیے، ورنہ نہ تو تائید کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ تردید کا۔ مسلمان خواتین نے جو کچھ کہا اور کیا ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالص دین اور ریاست کے مفاد کے لیے کہا اور کیا۔

دین کے نفع و ضرر کا پاس و لحاظ، اس کے لیے ہر طرح کی قربانی اور شدید ترین جاں گسل مواقع پر استقامت، مسلمان عورت کی یہ ایسی صفات تھیں جنہوں نے اس کے خلوص اور وفاداری کو ہر شک و شبہ سے بالاتر کر دیا اور کوئی بھی شخص اس کو دین اور اربابِ دین کا بدخواہ اور غدار نہیں ثابت کر سکا۔ اس نے فرد اور جماعت کے مفاد کے لیے جو بھی اقدام کیا اس کو ذاتی غرض اور نفسانی خواہش پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ مخلصانہ جد و جہد سمجھ کر اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام افراد تو کیا ذمہ داران ریاست تک

---

[1] احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۳۵۱

نے اس کی تنقید اور نصیحت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا، کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجیے، تو حضرت عائشہؓ نے انتہائی مؤثر اور ایک حاکم وقت کو رہنمائی کا کام دینے والا حضورؐ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا:

"جو شخص لوگوں کو ناخوش کر کے اللہ کی رضا تلاش کرنے، اللہ تعالیٰ اس کو انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کو خفا کر کے لوگوں کی رضا ڈھونڈے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ان ہی کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں[۱]"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "مہر کی مقدار کم رکھو" تو ایک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہا، آپ کو اس کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "اگر تم ایسی عورتوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو، تو اس سے ایک حبہ بھی نہ لو" اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا، "ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور غالب رہی[۲]"

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عام مسلمان خواتین تک کو کس قدر دین کے بقا و تحفظ کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور ان کو اسلام اور اس کے اصول عدل و مساوات پر قائم شدہ ریاست کی سربلندی و پائیداری سے کتنی دلچسپی تھی؟ پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین اور اقدار دین کے فروغ و زوال اور تباہی اور ترقی سے کنارہ کش رہیں گی یا اس سے اغماض برتیں گی۔؟

یہ تاریخی شہادتیں اس بات کا ثبوت ہیں، کہ اسلامی معاشرہ کے سود و زیاں اور نفع و ضرر سے مسلمان عورت کسی تماشائی کی طرح غیر متعلق نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ اور اصلاح و فساد سے اس کا بہت ہی گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے۔ معاشرہ کا نقصان اس کا اپنا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ معاشرہ کو خیر کی بنیادوں پر قائم رکھنے میں مدد دے گی تو لازماً شر کی راہ پر لیے جانے کی مخالفت اور مزاحمت بھی کرے گی۔ بھلائیوں کا خیر مقدم کرے گی تو برائیوں پر احتجاج بھی کرے گی۔ یہ اس کا فطری حق ہے جو اجتماعی زندگی نے اس کو عطا کیا ہے۔ شریعت اس کے اس حق کو تسلیم کرتی

---

[۱] ترمذی، الجامع للترمذی، ج ۴، ص ۳۴، حدیث نمبر ۲۵۲۷

[۲] ابن حجر، فتح الباری، ج ۹، ص ۱۶۱

ہے اور زندگی کے مختلف معاملات میں خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی اس کو اپنے جذبات و احساسات رائے اور خیال اور پسند و ناپسند کے اظہار کی اجازت عطا کرتی ہے۔ یہ اظہار اپنے حدود کے اندر زبان و بیان، تحریر و انتشار، غرض جس ذریعہ سے بھی ہو شریعت اس پر کوئی قدغن نہیں لگاتی۔

جہاں تک اس کے ذاتی مسائل کا تعلق ہے، مثلاً نکاح، خلع وغیرہ ان کے متعلق شریعت نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر اپنا فیصلہ لاد نہیں سکتا جو بھی اقدام کیا جائے گا اس کی مرضی اور خوشی کے بعد کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"شادی شدہ عورت کا نکاح بیوگی یا طلاق کے بعد اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لے لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح بھی اس کی اجازت لیے بغیر نہیں کیا جائے گا[1]۔"

ایک دوسری روایت ہے:

"یتیم لڑکیوں کا نکاح ان سے رائے اور مشورہ کرنے سے پہلے نہ کرو[2]۔"

ان معاملات کا تعلق تو اس کی اپنی شخصیت سے ہے، اس سے بھی آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے:

"عورتوں سے ان کی لڑکیوں کے معاملہ میں مشورہ لو[3]۔"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ زندگی کے جن شعبوں سے متعلق وہ تجربات رکھتی ہے اور ان کے نفع و نقصان سے بہتر طور پر واقف ہے، ان کے سلسلہ میں اس کے افکار و خیالات خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، جس کو نظر انداز کرنا ہمارے لیے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ان معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔

---

[1] مسلم، ج ۲، ص ۲۹، (کتاب النکاح، باب) ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۰۹ (کتاب النکاح)

[2] ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۰۶ (کتاب النکاح)، کنز العمال، ج ۸، ص ۲۸۷ (کتاب النکاح)

[3] کنز العمال، ج ۸، ص ۲۸۷ (کتاب النکاح)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عام اُسوہ اور طریق عمل حضرت حسن بصریؒ یہ بتاتے ہیں :

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی اور وہ کبھی ایسی رائے دیتی جسے آپ اختیار فرماتے۔"

یہ اسوہ زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ہر نوعیت کے مسائل اور تمام پہلوؤں سے ہے۔

مختلف سیاسی وغیر سیاسی مسائل میں عورت کی رائے اور فہم سے اسلامی معاشرہ نے جس طرح فائدہ اٹھایا ہے اسی طرح اپنی تمیز وتشکیل کے سلسلے میں بھی اس کی عملی صلاحیتوں سے وہ مدد حاصل کرتا رہا ہے۔

شفاءؓ بنت عبداللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ :

"بسا اوقات حضرت عمرؓ ان کو بازار کی کوئی ذمہ داری سونپ دیتے تھے[1]"

یہ واقعات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرے نے مسلمان عورت پر بہت سی سیاسی و سماجی ذمہ داریاں عائد کیں اور مسلمان عورت نے اپنے خانگی فرائض کے ساتھ ان سے بھی عہدہ برا ہونے کی سعی کی۔

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۴۱، (تذکرہ شفاءؓ بنت عبداللہ)